واسوخت اور لکھنوی معاشرت

نبیلہ اعوان☆

Abstract

Wasokht is a typical genre of Urdu poetry. Like many other sub-genres within Urdu poetry, this genre is also Persian in its origin. According to a research, Mir Taqi Mir is the first poet of Wasokht in Urdu. The characteristic feature of Wasokht is the resistance and mutiny of the lover against the behavior of the beloved. This genre developed in Lakhanvi environment. So for as its structure is concerned this genre reflects in Musaddus , Musamman and Mukhammus. The present study is an attempt to highlight the Wasokht's Lakhnvi style.

واسوخت اصنافِ نظم کی منفرد صنف ہے۔جس کے لغوی معنی روگردانی،تنفر،اعراض اور بے زاری کے ہیں۔شعری اصطلاح میں یہ وہ صنفِ شاعری ہے جس میں عاشق اپنے معشوق کی بے وفائی، سنگ دلی اور اس کے ظلم وستم کا ذکر کر کے اُسے برا بھلا کہتا ہے۔بے زاری اور نا راضی میں جلی کٹی سناتا ہے اور ساتھ یہ دھمکی بھی دیتا ہے کہ اگر محبوب نے اپنا رویہ نہ بدلا تو وہ اس کی محبت سے علیحدہ ہو کر کسی اور حسین سے دل لگا لے گا۔اس طرح یہ صنف مشرقی شاعری میں روایتی انداز سے ہٹ کر منفرد موضوع بیان کرتی ہے۔غزل اور قصیدہ میں جو تاثراتی تحسین اور اپنی ذات کی نفی کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔وہ واسوخت میں نہیں بلکہ ایک بغاوت کا ایسا عنصر شامل ہے جو بعد میں مزاحمتی شاعری کی بنیاد بنا۔ واسوخت ایسی نظم ہوتی ہے جس میں کوئی بھی ہیت استعمال کی جا سکتی ہے۔مگر عموماً مسدس، مثمن ترکیب

☆ استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ خدیجہ عمر گرلز کالج، ٹیکسلا ،راولپنڈی

بند میں اس کا اظہار ہوا۔ بیسویں صدی کے اہم شاعر فیض احمد فیض نے ایک واسوخت غزل کی ہیت میں بھی لکھا ہے۔(۱) واسوخت میں محبوب کی بے وفائی سے عاشق کی بے زاری، محبوب سے گلے شکوے اور اُس پر طعنہ زنی کے پہلو غالب رہتے ہیں۔مگر ساتھ سراپا نگاری، زنانہ آرائشِ لباس اور زیورات کی تفصیل وغیرہ بھی شامل ہوتی ہے۔انہی حوالوں سے اس صنف کو لکھنوی مزاج کی صنف بھی کہا جاتا ہے۔رفیع اللہ ہاشمی واسوخت کی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''واسوخت کا موجد ایک فارسی شاعر وحشی یزدی ہے۔اُردو میں یہ صنفِ شعر، فارسی واسوخت کی تقلید میں رائج ہوئی۔آبرو، قائم، سودا، تاباں، میر، قلق، جرات، امیر مینائی وغیرہ نمایاں واسوخت نگار ہیں۔محمد حسین آزاد نے میر کو اُردو کا سب سے پہلا واسوخت نگار قرار دیا ہے۔مگر یہ درست نہیں کیونکہ میر سے پہلے بھی کئی شعراء نے واسوخت لکھے یہ الگ بات ہے کہ اُس وقت تک واسوخت کا لفظ رائج نہ ہوا تھا''۔(۲)

واسوخت ایسی صنفِ نظم ہے جس کی اُردو شاعری میں دیگر اصناف نظم مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی وغیرہ کی طرح اپنی کوئی الگ تاریخ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی بہت سی اصنافِ نظم کی طرح فارسی شاعری سے اُردو شاعری میں داخل ہوئی ہے۔لیکن اس کی عمر اور قیام اُردو شاعری میں بہت مختصر ہے۔ اس کا اصل تعارف تو لکھنو میں پیدا ہونے والی شاعری میں ہوا۔جس کی غالب خصوصیت خارجیت کی شکل میں ظاہر ہے۔ اس صنف میں شاعر اپنے ان جذبات کا اظہار کرتا ہے۔جن میں محبوب کو یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ مجھے اب آپ سے کوئی محبت نہیں رہی اور میں نے عشق اور عاشقی سے کنارہ کرلیا ہے۔بقول عطش درانی:

''واسوخت میں شاعر محبوب سے قطع تعلق اور عشق و عاشقی کو خیرباد کہنے کا اعلان کرتے ہوئے محبوب کو خوب جلی کٹی سناتا ہے۔محبوب کے ظلم وستم، جفا اور بے مہری پر غزل کے الٹ مضامین اس پر باندھے جاتے ہیں۔یعنی جلنے اور آہیں

بھرنے کی بجائے کسی اور سے دل لگا کر محبوب کے دل میں آتشِ رقابت اور حسد
پیدا کیا جائے۔ یوں طعنے دے کر اور اُسے جلا کر اس کی توجہ اور عنایت حاصل
کرنے کی کوشش کی جاتی ہے''۔(۳)

یعنی واسوخت کے معنی ہوئے جواب میں جلانے اور معشوق کو یہ جتانا کہ اگر وہ اسی طرح بے نیاز رہا تو اس سے زیادہ حسین اور خوبصورت معشوق سے دل لگا لیا جائے گا۔ اسے بھی ناز وغمزہ، کرشمہ و ادا میں اسی طرح طاق بنا دیں گے جس طرح ایک زمانہ میں اسے بنایا تھا۔ اس طرح واسوخت گویا ایک قسم کی عاشقانہ چھیڑ چھاڑ کا نام ہے۔ نجم الغنی خان اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''واسوخت بیزاری کو کہتے ہیں اور اس نظم کا نام واسوخت ہے جس میں معشوق
سے بیزاری اور عاشق کے لئے بے پروائی کا مضمون اور دوسرے معشوق سے دل
لگانے کی چھیڑ، کہ اس کو جلی کٹی کہتے ہیں''۔(۴)

اسی بات کی تائید ڈاکٹر جمیل جالبی یوں کرتے ہیں:

''واسوخت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر اپنے محبوب کی بے وفائیوں سے
تنگ آ کر نہ صرف اسے جلی کٹی سناتا ہے بلکہ اُسے چھوڑ کر کسی اور سے دل لگانے کا
اظہار بھی کرتا ہے۔ واسوخت میں اظہارِ عشق کے بجائے محبوب سے بیزاری کا
اظہار کیا جاتا ہے اور دوسرے سے دل لگانے کی دھونس دی جاتی ہے تاکہ محبوب
بے وفائی سے باز آ جائے اور عاشق کی طرف متوجہ ہو جائے''۔(۵)

یہ بات تو طے ہے کہ اُردو شاعری میں واسوخت کا رواج فارسی کے زیرِ اثر ہوا۔ لیکن اُردو شاعری نے اپنے وسیع دامن میں اِسے اس طرح سمو لیا کہ اس کی لطافت میں بھرپور اضافہ ہوا۔ ''خزینۃ العلوم فی متعلقات منظوم'' میں واسوخت کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ ڈھنگ فارسی زبان وحشی نے اختراع کیا تھا۔ مگر اُردو والوں نے اس کو وہ
رونق بخشی کہ بیان نہیں ہو سکتی''۔(۶)

اُردو ادب کے زیادہ تر مورخین اور ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ واسوخت کی صنف میرؔ اور سوداؔ کے دور میں مقبول ہوئی۔ لیکن زیادہ تر دبستانِ لکھنو کے زیرِ اثر اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی چونکہ اس دور میں محبوب امرد تھا یا طوائف تھی اور دونوں کا ہرجائی و بے وفا ہونا ایک عام بات تھی۔ اس لئے اس دور میں اس کے عام رواج کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا۔(۷) عطش درانی اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اُردو شاعری میں میرؔ اور سوداؔ جیسے اساتذہ نے واسوخت لکھے ہیں۔ لیکن اس صنف کو صحیح معنوں میں لکھنو ہی میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ جہاں معاشرتی زندگی میں عیش و عشرت اور لذت کوشی ایک اہم معاشرتی ضرورت بن چکی تھی''۔(۸)

مولانا محمد حسین آزادؔ نے واسوخت میں اولیت کا سہرا امیرؔ کے سر باندھا ہے۔ اس کے ثبوت یا تردید میں کسی تذکرہ نویس کا قول نہیں دہرایا جا سکتا کیونکہ اس سلسلہ میں تمام ادبی ذرائع خاموش ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اُردو شاعری کے اس دور میں باقاعدہ طور پر واسوخت کا رواج ہوا امیرؔ کے چار واسوخت نہ صرف ان کے مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں بلکہ واسوختوں کے ان تمام مجموعوں میں بھی شامل ہیں جو اسی دور میں لکھنو سے شائع ہوئے تھے۔ ان کے واسوخت مختصر ہیں اور ان میں شوخی کے ساتھ رنگین اور لطیف چاشنی بھی ملتی ہے:

آرسی کی کبھی صورت نہ دکھاتے تجھ کو
طرز یہ سرمہ کشی کا نہ بجھاتے تجھ کو
دل ربائی کے نہ انداز بتاتے تجھ کو
کیوں بگڑتا تو جو ایسا نہ بناتے تجھ کو
مستی چشم سے ہوتی نہ اگر تجھ کو خبر
ایسی ہوشیاری سے کرتا نہ تو ادھر کو نظر

اور مہ پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب
اس کی محبوبی و خوبی ہی کا مذکور ہے اب
دیکھنا کچھ ہو اسی کا مجھے منظور ہے اب
صرف اس پر کروں گا اپنا جو مقدر ہے اب
اس کنے ضد سے تری شام و سحر جاؤں گا
گھر سے جس دم اُٹھوں گا اُس کے ہی گھر جاؤں گا (۹)

میرؔ کے علاوہ سوداؔ نے بھی بڑے خوبصورت پیرائے میں اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے:

شیشۂ دل کو مرے سنگِ ستم سے توڑا
دل نے میرے بھی منہ اب تیری طرف سے موڑا
تم جو کچھ ساتھ کیا میرے نہیں وہ چھوڑا
مجھ کو بھاتا نہیں ہر دم کا ترے تکتوڑا (۱۰)

اسی طرح جرأت جو عام طور پر معاملہ بندی اور بے ساختہ پن کے شاعر سمجھے جاتے ہیں، یہاں صاف اور کھلا ڈھلا نقشہ نہیں کھینچتے:

چشم وہ جادو بھری ہو کہ جو ٹک جائے نظر
شکلِ نرگس نہ رہے آنکھوں میں کچھ نورِ بصر
کان وہ کانِ ملاحت ہوں کہ دیکھے تو اگر
ہو چھبن بالی کی ایسی کہ اگر دیکھے تو
تم خدا جانے لگے کیا ترے بالے جی کو (۱۱)

آتشؔ نے اپنے واسوخت میں اپنی مخصوص متانت اور گداز کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور واسوخت میں بھی اپنی طبیعت کو جولانی دکھائی ہے:

آگے اک یار نہ تھا یار ترے یار تھے ہم
ہمدم و ہم سخن و مونس و غمخوار تھے ہم
لطف و اشفاق و عنایت کے سزاوار تھے ہم
مدعی اب جو ہیں مجبور تھے مختار تھے ہم
چیں جبیں پر نہ تھی رنجش کی نہ یہ باتیں تھیں
مہربانی تھی شب و روز ملاقاتیں تھیں (۱۲)

غرض یہ کہ اس خاص صنف کا رواج اور نشو ونما لکھنو میں ہوا اور مقبولیت اور شہرت عام نے اس پر بقائے دوام کی مہر ثبت کر دی۔ واسوخت لازم طور پر عشق مجازی سے متعلق ہوتا ہے۔ عشق حقیقی اور تصوف کی سنجیدگی میں اس کی شوخی اور طرازی کی گنجائش نہیں۔ اس لئے اُردو شعراء نے اس طرف توجہ کی تو محض خانہ پری کے لئے اکثر شعراء نے ایک آدھ واسوخت لکھے اور ان کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ واسوخت کو ایک صنف کی حیثیت سے ترقی دینے کے لئے ضروری تھا کہ یہ شعری تجربہ بھی مربوط اور مسلسل ہو لیکن ربط اور تسلسل ایسی چیزیں ہیں جن کا اس دور میں پتا نہ تھا۔

اسی طرح امانتؔ کے واسوخت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ امانتؔ نے اس صنف میں لکھنو کے تمدن کا رنگ بھر کر اسے نہایت دل کش بنا دیا ہے۔ محمد حسین آزادؔ کی تحقیق کے مطابق میر ضمیرؔ نے مرثیہ میں سراپا سب سے پہلے لکھا اور امانتؔ نے ان کے بعد، مرثیہ نے رسم ورواج اور معاشرت کے جو خاکے پیش کئے تھے وہ امانت کے واسوخت میں جوں کے توں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ لفظی گری اور شاعرانہ صنائی نے انداز بیان میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ سراپا، منظر کشی اور دوسری تمام خارجی تفصیلات میں واسوخت کا پایہ بہت بلند ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کا بیان لفظی صنعت گری کے سہارے کیا گیا ہے۔ جس سے ان کے بارے میں کوئی تصور قائم نہیں ہوتا۔ البتہ طرز بیان کی قوت اور الفاظ کی شان و شوکت کا احساس ہوتا ہے۔ بہر صورت یہ اُردو ادب کا کامیاب ترین اور مکمل ترین واسوخت ہے۔

سراپا کے بیان ہی کو لیجئے۔ معشوق کے جسم اور اعضاء کی تفصیل کے ساتھ لباس، زیور اور

آرائش کے جملہ سامان کی تفصیل نہ صرف اس دور کی تراش خراش اور معاشرت کا نقشہ پیش کر دیتی ہے۔ امانتؔ واضح طور پر اپنے معشوق کو اس دور کی ایک حسین عورت کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اس طرح حسن و عشق کے اس نئے مفہوم کو پوری تفصیل سے سامنے لے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ مراعات النظیر اور مناسبت لفظی سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ایک سلسلہ کی تمام تر اشیاء کا تذکرہ آ جاتا ہے۔ مثلاً عشق کو محفل سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ وہ صحبت ہے کہ ہے پان جہاں خونِ جگر
یہ وہ مجلس ہے کہ ہے پانی کی جا دیدہ تر
یہ وہ ہے درد کہ ہشیار بھی متوالے ہیں
یہ وہ جلسے ہیں کہ مطرب کے عوض نالے ہیں (۱۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ واسوخت کا کامیاب ترین نمونہ امانتؔ کے قلم سے نکلا۔ ان کے بعد واسوخت کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کے ثبوت میں واسوختوں کے دو مجموعے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہ دونوں مجموعے نول کشور پریس سے چھپے۔ پہلے میں کل 26 واسوخت ہیں اور اس کا نام محض ''مجموعہ واسوخت'' لکھا گیا ہے۔ ان واسوختوں کے شعراء کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

ناظمؔ، امیرؔ، آبادؔ، بحرؔ، برقؔ، جراتؔ، جوہرؔ، جذبؔ، جوشؔ، جولانؔ، جانؔ صاحب، حکیم حشمتؔ، ذکیؔ، امانتؔ، اور آزادؔ کا ایک ایک واسوخت ہے۔ ان میں سب سے طولانی اور فنی حیثیت سے مکمل ترین واسوخت امانتؔ کا آتا ہے۔ جس میں 129 بند ہیں اور جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

دھوم ہے خسرو اقلیمِ سخن آتا ہے (۱۴)

دوسرے مجموعے میں 48 واسوخت ہیں اور اس کا نام ''شعلہ جوالہ'' ہے۔ یہ مندرجہ ذیل شعراء کے واسوختوں پر مشتمل ہے۔ سحرؔ، صیغرؔ، میرؔ، نثارؔ، وحشی یزدیؔ کے دو فارسی واسوخت، نوائی اور مظہر جانِ جاناں کے فارسی واسوخت اور رعنا، رندؔ، رفعتؔ، راحتؔ، سوداؔ، میرؔ، شوقؔ، مرزا شوقؔ، شایاںؔ، شکوہ، عرشؔ، عیشؔ، عاشقؔ، عقیلؔ، عیشیؔ، فراقؔ، فائقؔ، قلقلؔ، قیصرؔ، مہرؔ، مجرمؔ، معجزؔ، ملالؔ، نورؔ،

ہلالؔ ، ہمتؔ ، یادگارؔ اور دو نامعلوم شعراء کے واسوخت شامل ہیں ۔ ان میں سب سے زیادہ طویل واسوخت مُعجزؔ کا ہے ۔ جس میں 232 بند ہیں ۔ لیکن فنی حیثیت سے مرزا شوق کا واسوخت سب سے زیادہ کامیاب ہے ۔ ان دونوں مجموعوں میں تمام شعراء کے حالات بھی دیئے گئے ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک اور مجموعہ مطبع مصطفائی کا چھپا ہوا ملتا ہے ۔ جس میں آبادؔ ، جراتؔ ، فراقؔ ، شوقؔ ، مرزا شوقؔ ، جولانؔ ، ہلالؔ ، سوداؔ اور دو نامعلوم شعراء کے واسوخت درج ہیں اور اکثر صورتوں میں وہی واسوخت ہیں جو مذکورہ بالا مجموعوں میں ہیں ۔ ان تمام واسوختوں کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ طرز لکھنو میں کس قدر مقبول اور اس کا رواج کتنا عام ہو گیا تھا ۔ (۱۵)

مختصراً یہ کہ واسوخت کے کامیاب اور خوبصورت نمونے لکھنوی نے پیش کئے ۔ امانتؔ ، شوقؔ اور امیرؔ یہ نام گویا واسوخت کی تاریخ میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی خدمت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں لکھنو کے مخصوص تمدن اور معاشرہ کے وہی عکس نظر آتے ہیں جو یہاں کے پیدا کردہ ادب اور فن کے دوسرے شعبوں میں جلوہ گر ہیں ۔

شاعری کے لحاظ سے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر لکھنو نہ ہوتا تو اُردو شاعری میں یہ تنوع بھی نہ ہوتا ۔ یہ محض کچھ غزلوں کے مجموعوں کا نام ہوتا اور ان غزلوں میں تصوف ، ماورائیت ، زندگی کی بے ثباتی ، مابعد الطبیاتی عناصر اور ماورائیت کی جھلکیوں کے سوا اور کچھ نہ ملتا ۔ لہذا یہ لکھنوی ادبی دبستان یا لکھنوی معاشرت کا اُردو ادب پر ایک خاص احسان ہے ۔ جس نے اسے ادبی لطافتوں سے نوازا ۔

فنی اعتبار سے سادگی الفاظ ، لکھنوی لذتیت ، بے باکی ، شوخی ، عریانی ، فحاشی ، ابتذال ، رکاکت ، ہوس پرستی اور لفظی صنعت گری ، واسوخت کی پہچان ہے ۔ مگر یہ بات طے ہے کہ لکھنوی ماحول ہر حوالے سے واسوخت کی تخلیق کے لئے موزوں تھا اور اُسی ماحول میں یہ صنعت پلی اور اسی ماحول ہی میں اپنے انجام کو پہنچی ۔ میرؔ سے لے کر امانتؔ تک صنعت گری کو خاصا فروغ ملا اور متنوع قسم کی تشبیہات ، استعارات اور صنائع بدائع سامنے آتے رہے ۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 2008، ص، 63۔

(۲) ایضاً، ص، 63/64

(۳) عطش درانی، اُردو اصناف کی مختصر تاریخ، جائے اشاعت اور سن نامعلوم، ص، 70

(۴) نجم الغنی خان، بحر الفصاحت، جلد دوئم، لاہور، مقبول اکیڈمی، 1989، ص370

(۵) جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد دوم، لاہور، مجلس ترقی اُردو، سن نامعلوم، ص، 410

(۶) ڈاکٹر محمد حسن، ادبی تنقید، لکھنو، ناشر اور سن نامعلوم، ص68

(۷) اُردو اصناف کی مختصر تاریخ، ص 72

(۸) آزاد محمد حسین، آبِ حیات، ناشر اور سن ندارد، ص110

(۹) ادبی تنقید، ص74

(۱۰) ایضاً، ص75

(۱۱) ایضاً، ص76

(۱۲) ایضاً، ص 84